



مہینہ

نگہت اعظمی

”عالمکہ، عامرہ، حامد، ساجد اور ان کے بچوں کے عید کے جوڑے سوپیاں، دودھ، ڈرائی فروٹس، مہندی، چوڑیاں.....“ اماں نے ہر سال کی طرح رمضان کے آغاز میں ہی ذیشان کی بہنوں کے گھر عیدی بھجوانے کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی اور ہمیشہ کی طرح ذیشان فرمانبردار بیٹے کی طرح ان کے ہر جملے پر ”جی ہاں، جیسا آپ کہیں..... جیسی آپ کی مرضی.....“ کی گردان کر رہا تھا اور فی وی لاؤنچ سے

متصل اور بن چکی میں کام میں مصروف لائبر ساری تفصیل سن کر کھس رہی تھی۔

ذیشان اس کا شوہر تھا اور اماں کا سب سے بڑا بیٹا جس نے ماں کی بات پر ”نہ“ کہنا سکھا ہی نہیں تھا۔ وہ اپنے عہدے، اپنی پوزیشن، اپنی تنخواہ اور اپنی ترقیوں کو اماں کی محنت، مشقت اور دعاؤں کا حشر سمجھتا تھا۔ اسی لیے اماں کی ہر بات اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ جس سے انحراف اس کے لیے گناہ کے برابر تھا۔ اس کی بیوی لائبر اس کے دوست کی بہن تھی، دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ شادی سے پہلے اس نے لائبر کو بتا دیا تھا۔

”اماں نے بابا کے انتقال کے بعد ہم چاروں بہن، بھائیوں کو بڑی محنت اور مشقت سے پیلا لایا۔ میں ان کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور تمہیں بھی یہی سوچ کر ہمارے گھر آنا ہوگا کہ تم بھی اماں کی کسی بات کو رد نہیں کرو گی چاہے وہ جتنا ہی کیوں نہ ہو۔“ اس وقت تو لائبر پر ذیشان کی محبت کا بھوت سوار تھا۔ اسے صرف ذیشان ہی نہیں اس کے گھر میں کام کرنے والے نوکر چاکر بھی اچھے لگ رہے تھے۔ اسے ذیشان سے شادی کر کے اس کے ہمراہ اس کے گھر والوں کا خیال رکھنا بڑا رومانٹک اور حسین خواب لگ رہا تھا۔ وہ اپنے گھر میں دو بہنوں سے چھوٹی اور ایک بہن اور بھائی سے بڑی تھی۔ دو بہنوں کے بعد جب ماں، باپ اور پورے خاندان کو بیٹے کا انتظار تھا وہ آگئی۔ اس کے آنے پر اس کا استقبال بہت گرم جوشی سے نہیں بلکہ اچھی خاصی سرد مہری سے ہوا۔

”اللہ نصیب اچھا کرے۔“ دادی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ باپ نے ناگواری کا اظہار تو نہیں کیا لیکن بہت خوشی کا اظہار بھی نہیں کیا۔

”خیر اللہ کے کاموں میں کس کو دخل ہے۔ اللہ اگلی دفعہ بیٹا عطا کرے گا۔“ بڑی پھوپھو نے جن کے تین بیٹے تھے دعائیہ انداز میں تیر چھوڑا۔

”اللہ تعالیٰ جو بھی دے انسان کو شکر کرنا چاہیے۔“

آج کل بیٹے، بیٹیاں سب برابر ہیں۔“ چھوٹی چھوٹی نے زیادہ فراغ دلی کا مظاہرہ کیا اور چونکہ وہ بہن، بھائیوں کے درمیان میں تھی اس لیے کوئی خاص توجہ لی اور نہ کوئی خاص اہمیت اسی لیے جب وہ ذیشان کے گھر میں آئی اللہ سب سے بڑی بہن کر آئی اور سب نے اسے سر اٹھائی پر بٹھایا تو پہلی دفعہ اسے اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ اور اپنی اس حیثیت اور اہمیت کو برقرار رکھنے کے لیے اس نے بھی گھر والوں کی جی جان سے خدمت کی اور ان کی عزت بھی کی۔

وہ چھوٹی ذیشان کی ڈور اماں کے ہاتھ میں ہے اسے اماں کے ذریعے سے ذیشان کو اپنا بنانا ہوگا۔ اس نے بھی اماں کی ہاں میں ہاں اور نہیں میں نہیں کہنا سیکھ لیا۔ جب وہ بیاہ کر آئی تھی اس وقت دونوں بیٹنیں غیر شادی شدہ تھیں۔ ذیشان نے ہی دونوں کی شادیاں کیں اور اس طرح کیں کہ سب حیران رہ گئے۔ ذیشان نے اماں کی خواہش پر بہنوں کو جینز میں ہر چیز دی۔ کپڑے، جیولری، برتن، ٹی وی، فریج، فرنیچر اور ہر چیز اتنی اعلیٰ معیار کی تھی کہ جس نے بھی دیکھا اس اٹش کر اٹھا۔ اماں گاہے بگاہے ٹھنڈی سانس بھر کر کہتی رہتی تھیں۔

”یتیم بچیاں ہیں ان کو کہیں احساس نہ ہو کہ ان کے سر پر باپ کا سایہ نہیں.....“ اور پھر ان کی یہ بھی سوچ تھی۔ ”بچیاں غیر گھروں میں جا رہی ہیں اتنا لے کر جائیں کہ سرال والوں کے سامنے سر نہ ٹکے۔“ بیٹیوں کی شادی کے بعد بھی میکے سے ہر توار، خوشی، غمی کے موقع پر اماں ان کو چیزیں بھجواتی رہتیں۔ بیج الاول میں مٹھائی کے ڈبے جاتے تو رجب میں مٹھی نکلیاں اور کھیر بھیجی جاتی رمضان میں کھجوریں، خشک میوہ، دودھ کے ڈبے، پھیننی، کھیلے ہا قاعدہ نوکریوں میں سجا کر بھیجے جاتے۔ شعبان کے مہینے میں حلوے اور عید میں تو باقاعدہ جہیز کی طرح نوکریاں بنائی جاتیں۔ بقر عید پر بکرے کی ایک، ایک زان دونوں کے گھروں میں جاتی۔ پھر بیٹی، داماد اور بچوں کی سالگرہوں پر سب کے جوڑے اور نقد رقم بھی بھیجی جاتی۔ لائبر سب کچھ خوشی، خوشی کرتی تھی۔

میل

اچھی کرتا تھا۔ خاندان کی کئی لڑکیاں اسے پسند کرتی تھیں۔ لیکن اسے محلے کی ایک لڑکی پسند آئی جو بے حد خوب صورت تھی، دونوں کی جوڑی واقعی چاند سورج کی جوڑی کہلانے کے لائق تھی۔

اماں کو بڑے بیٹے کی قابلیت اور چھوٹے بیٹے کی خوب صورتی پر بڑا ناز تھا۔ ذیشان کی بیوی لائیب بھی اچھی شکل صورت کی مالک تھی لیکن شرا کی طرح حسین نہیں تھی، اماں شرا جیسی حسین و جمیل بہو پا کر بہت خوش تھیں۔

شرا جتنی خوب صورت اور حسین تھی اتنی ہی پھوہڑ اور ست۔ اس کے بیٹے والے اچھے خاصے مالدار لوگ تھے۔ اس نے شادی سے پہلے کبھی گھر کے کام کیے ہی نہیں تھے سوا اسے کام کرنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ وہ جو بھی کام کرتی اتنی دیر میں کرتی کہ دیکھنے والے کو اختلاج ہونے لگتا۔ شرا جتنی ست اور پھوہڑ تھی لائیب اتنی ہی سلیقہ مند اور کام کاج میں ماہر، جتنی دیر میں شرا سبزی کا کتنی وہ پورا کھانا تیار کر لیتی۔ اسے کھانے پکانے کا شوق بھی بہت تھا۔ اس کے ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت تھا۔ سب ہی کو اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بہت پسند تھا۔ ہر ویک اینڈ پر اس کی دونوں ننڈیں اپنے بچوں اور شوہروں کے ساتھ آتی تھیں۔ وہ سر اردن ان کے لیے حرے، حرے کے کھانے تیار کرتی، سب کھاتے اور اس کی خوب تعریفیں کرتے۔ اسے لگتا اس کی ساری محنت سوارت ہوگئی۔

شایان شادی سے پہلے بھی کبھی گھر میں ایک دھیلا نہیں دیتا تھا۔ شادی کے بعد بھی اس کا یہی طریقہ رہا۔ اسے شادی کے بعد جتنی منہ دکھائی تھی کتنی وہ بھی ماں نے اس کے حوالے کر دی تاکہ اسے خرچے میں کوئی تنگی نہ ہو۔ شایان کی پوری شادی ذیشان نے کی تھی اور اس میں بھی ماں نے ایسی بری تیاری کی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ شادی کے بعد وہ دونوں گھونٹے پھرنے لگے تو بھی ذیشان نے خاصی خیر رقم ان دونوں کو دی۔ اس کی شادی کے بعد بھی گھر کی ساری ذمے داری ذیشان کے کاندھوں پر تھی۔ جس میں سینی بھر کی گروسی،

اسے بھی ان باتوں پر اعتراض نہیں ہوتا تھا بلکہ اماں اگر کچھ بھول بھی جاتیں تو وہ یاد دلاتی۔ وہ گھر کی بڑی بہو ہونے کے فرائض پوری ذمے داری سے نبھاتی تھی۔ اسی لیے ذیشان بھی اس کے ہر کام کو سراہتا اور اس کا اور بچوں کا بے حد خیال رکھتا۔ لائیب شوہر کی محبت پا کر بے حد مسرور تھی۔ لیکن جب سے اس کے دیور شایان کی شادی ہوئی اور اس کی بیوی شرا گھر آئی تو اس کے رویے میں تبدیلی آنے لگی۔ شایان بہن، بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور سب کا لاڈ لایا بھی تھا۔ وہ دو سال کا تھا جب ان کے والد دنیا سے چلے گئے۔ اماں اسے دیکھ، دیکھ کر روتی تھیں پھر اماں اور سب بہن بھائیوں نے اس کے اتنے لاڈ اٹھائے کہ وہ کامل اور آرام پسند ہو گیا۔ اسے پڑھنے لکھنے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی بڑی مشکل سے رو دھو کر اس نے انٹر کیا پھر ذیشان نے اپنے دوست کی فیکٹری میں جہاں پلاسٹک کے برتن بنتے تھے نوکری دلوادی۔ وہاں اس نے ایک سال کام کیا پھر وہاں اس کا دل نہیں لگا۔ اس نے نوکری چھوڑ دی۔ نوکری چھوڑنے پر کسی نے کچھ نہیں کہا بلکہ اماں نے اناس کا ساتھ دیا۔

”بھڑا میں جائے ایسی نوکری کہ جس سے میرے بچے کی صحت برباد ہو جائے۔“

اس نوکری کے بعد ذیشان نے اسے بی کام کرنے کا مشورہ دیا جو اس نے رو، رو کر چار سال میں عمل کیا۔ ذیشان نے اسے اپنے دوست کی فرم میں اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے رکھوا دیا۔ وہاں اس سے حساب کتاب میں غلطیاں ہو گئیں جس کی وجہ سے وہاں سے بھی جواب مل گیا۔ اس نوکری کے بعد اس پر بزنس کرنے کی دھن سوار ہوئی۔ ذیشان نے اسے موباس فون کی دکان لے کر دی۔ اور کئی لاکھ روپے لگائے۔ لیکن وہ کام بھی ٹھپ ہو گیا۔ یوں کئی لاکھ ڈوب گئے اور پھر خدا، خدا کر کے ایک ٹریول ایجنسی میں نوکری دلوائی جو ابھی تک جاری تھی۔ اس نے اب ایک سال تک کر کام کیا تو اماں کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی۔ شکل صورت کا وہ بہت اچھا تھا پھر ڈریسنگ بھی بہت

پلیٹٹی بلز، خاندان میں لینا دینا، جہوار، تقریبات، اماں کی دوائیں اور ان کی بیماری کے اخراجات.....

ذیشان نے سی اے کیا ہوا تھا۔ اس کی اپنی ذاتی فرم تھی اور اس کی اتنی آمدنی تھی کہ سارے اخراجات پورے کرنے کے بعد بھی وہ اچھی خاصی رقم بچا لیتا تھا۔ اور شایان کی تنخواہ اتنی کم تھی کہ وہ کچھ نہ کرنے کے باوجود بھی کچھ نہ بچا پاتا..... وہ کچھ کرتا بھی نہیں تھا۔ اور سب کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ تھیں۔

”وہ پیچھا کرے، اس کی تو تنخواہ ہی اتنی کم ہے... پتا نہیں کیسے گزارہ کرتا ہے۔“ اماں بھی ہر وقت یہی کہتی رہتیں۔

”پیچھا ابا کے مرنے کے بعد بڑھ ہی نہیں سکا۔ ابا زندہ رہتے تو وہ بھی ذیشان بھائی کی طرح پڑھ لکھ جاتا۔“ بہنوں کو بھی اسی پر ترس آتا۔

اماں تو اکثر ذیشان سے پیسے لے کر خاموشی سے اسے دیا کرتیں۔ لائبہ نے بھی بہنوں کے معاملے میں کچھ نہیں کہا بلکہ بڑھ چڑھ کر دینے دلانے میں آگے آگے رہتی۔ لیکن دیور کے معاملے میں وہ بہت تنگ دل ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اب شوہر سے بھی شکوہ ہوتا۔ اور کبھی یہ شکوہ زبان پر بھی آ جاتا۔

”اس گھر کی ساری ذلت داری آپ ہی کی تو نہیں ہے۔ آپ شایان سے کہیں وہ بھی گھر کے اخراجات کے لیے کچھ پیسے دیا کرے۔“ اور اس کے یہ کہنے پر ذیشان اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیتا۔

”تم اس معاملے میں نہ بولو۔ یہ میرا اور میرے بھائی کا معاملہ ہے۔ میں تمہارے خرچے میں تو کوئی کمی نہیں کرتا۔ تو تمہیں کیا مسئلہ ہے۔“ ذیشان کے اس جملے پر وہ کڑھ کر رہ جاتی۔

”اب ہمارے بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ ان کے اخراجات بڑھ رہے ہیں۔ ہمیں ان کے لیے بھی سوچنا چاہیے۔“ اسے کچھ اور سمجھ میں نہ آتا تو وہ بچوں کا حوالہ دیتی۔

”میں ان کے لیے پورا انتظام کر چکا ہوں.....

تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں.....“

”میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب شایان کو بھی اپنی ذلت داریاں سمجھنی چاہئیں اور اگر وہ خود نہیں سمجھتا تو آپ کو چاہیے اسے سمجھائیں۔ آخر آپ کب تک اس کے بیوی، بچوں کے اخراجات اٹھاتے رہیں گے۔“ وہ ذیشان کا جواب سن کر دوسرے انداز میں بات کرتی۔

”جب تک میں زندہ ہوں.....“ ذیشان کا یہ جملہ جیسے اس کی زبان بند کر دیتا۔

شایان کی شادی کو تین سال ہو چکے تھے اب اس کے دو بچے بھی تھے۔ ذیشان کے بچے اب بڑے ہو چکے تھے گھر کی ساری روٹن ان دونوں بچوں کے دم سے تھی۔

دونوں بچے سارے گھر کی آنکھوں کا تارہ تھے۔

☆☆☆

ابھی رمضان کو شروع ہوئے صرف ایک ہفتہ ہی ہوا تھا۔ اور اماں نے اپنے احکامات جاری کر دیے تھے۔ لائبہ بچن میں کھڑی افطاری کا اہتمام کر رہی تھی۔ اس نے دہی بڑے اور چھوٹے بنالیے تھے۔ ایک چولہے پر اسپاگٹی ابلانے کے لیے رکھی تھی اور پکڑوں کے لیے بینن میں پیاز اور ہری مرچیں ملا رہی تھی۔ رات کے کھانے کے لیے اس نے دال چاول اور آلو قیمہ بنایا تھا۔ رمضان شروع ہوتے ہی سب کے فرمائشی پروگرام شروع ہو جاتے تھے۔ بچوں اور مردوں کو افطاری کا شوق تھا اور اماں چاہتی تھیں کہ کھانا پورے اہتمام سے کیے اور اس فرمائشی پروگرام کو پورا کرنے کے چکر میں اس کا سارا دن بچن میں ہی گزرتا اور اس طرح وہ عبادت بھی نہیں کر پاتی تھی جیسے وہ کرنا چاہتی تھی۔ گھر کا سارا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ ذیشان خرچے کے سارے پیسے اماں کے ہاتھ میں دیتے تھے،

اسی میں سے وہ گروسری کے پیسے لائبہ کو دیتیں پھر روزمرہ..... کے پیسوں کا حساب بھی اماں کے ہاتھ میں ہی رہتا۔ گویا وہ اس گھر کی فنانس منسٹر تھیں۔ سزا کو اس کی سستی اور پھوہڑ پن پر اکثر اماں کی ہاتھیں سننی پڑتی تھیں۔ لیکن اس کی یہ اچھی عادت تھی کہ وہ کسی بات کو



# ماہنامہ جاسوسی دلچسپ

عید الفطر کی پہلی جوش سائیں  
مئی 2023ء کے  
شمارے کی پر لطف کتابیں

## شیطان فی ہتھیار

دولت کی ہوس میں مبتلا سفاک شکاریوں  
کا دردناک شکاری مکمل

امجد درنیں کا عید سعید پر تحفہ خاص

## شعلہ زن

بے بسی کے اندھروں میں ڈوبتی لڑکی کی  
دردناک داستان حیات

روایتیں و شہید کے قلم کی جادوگری

## داہر

دنیا مجبور کرتی ہے کمان پر تھرین کر ٹوٹ پڑو..... ایک ایسے ہی  
نوجوان کی کوچہ گردی... زندگی اس کے لیے خالی کنگول کے  
مانڈی... حسام بیٹ کے قلم سے نئی سلسلے دار کہانی

## سورج کی رنگ

## پہلارنگ

پرانے رشتوں کو چھوڑ کر نئے رشتے بنانے  
والے ایک خود دوست کی خود بینی

غلام قادر کے قلم کی بلند پروازی

## دوسرا رنگ

کوئے یار سے کل کر سونے دار میں بھٹکنے  
والے شکاریوں کی داستان لہور تک

مظہر سلیم باشمی کی قلم آرائی

## چنی لٹکے چنی

آپ کے تھرے... مشورے... محبتیں...  
شکایتیں... اور نئی دلچسپ باتیں... کتابیں

دل پر نہیں لیتی تھی اور اپنی خامیوں کو مان بھی لیتی تھی  
اور انہیں سدھارتا بھی چاہتی تھی۔ وہ لائبہ کو کام کرتے  
دیکھتی تو اس کا دل چاہتا وہ بھی اس کی طرح کام کرے  
لیکن کوشش کے باوجود اس سے اس کی طرح کام نہیں  
ہو پاتا۔ اس کی شادی کے چار مہینے بعد جب پہلا  
رمضان آیا تو اماں نے یہ آرڈر پاس کیا کہ شزا سحری  
بنائے گی اور لائبہ افطاری..... ان کے گھر میں سحری  
میں پراٹھے، انڈوں کا آلیٹ، لسی اور چائے بنتی تھی۔  
رمضان کا چاند نظر آتے ہی شزا کو ٹینشن شروع  
ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے گھر میں کبھی پراٹھے بنائے ہی  
نہیں تھے۔ وہ رمضان سے دو دن پہلے اپنے میکے جا کر  
رہی تو اس نے اپنی امی کے گھر پراٹھے بنانے کی کوشش  
کی اور توڑا بہت سیکھ بھی لیا۔ لیکن ظاہر ہے وہ لائبہ کی  
طرح خستہ، گول اور سکے ہوئے پراٹھے نہیں بناتی تھی  
اس کے پراٹھے ٹیڑھے میڑھے ہوتے کہیں سے موٹے  
اور کہیں سے پٹے ہوتے۔ اور نہ ہی اچھی طرح سینکے  
ہوئے ہوتے۔ وہ تین بجے اٹھ کر سحری بنانا شروع  
کرتی جب بھی سارا کام قریب سے نہیں ہو پاتا۔ کبھی  
آلیٹ تیار نہ ہوتا۔ کبھی چائے اچھی نہیں بنتی، کبھی لسی  
میں کی بیشی رہ جاتی اور اس گھر میں سب کھانے پینے  
کے بہت شوقین تھے اور کھانے میں کسی قسم کی کمی  
برداشت نہیں کر پاتے اور خاص طور ڈیٹان اسے تو  
ایک ہی شوق تھا اور وہ اچھا اور گھر کا کھانا کھانے کا۔  
ایک دو دن تو سب نے ممبر کر کے اور جھوٹی تعریفیں  
کر کے وہ ادھ بچے پراٹھے کھا لیے لیکن تیسرے دن ہی  
ڈیٹان نے لائبہ سے کہہ دیا۔  
”بھئی سحری کا انتظام تم ہی کیا کرو..... شزا کے  
ہاتھ کے پراٹھے کھا کر تو میرے پیٹ میں درد ہونے لگا  
ہے۔“ ڈیٹان کے یہ جملے سن کر تو لائبہ ہواؤں میں اڑنے  
لگی اور اس کے اندر دھروں کو کتر بھجنے والی گھٹیا سی  
مسرت پیدا ہونے لگی۔ لیکن شوہر کے سامنے اپنی اس  
خوش کو چھپا کر نہ اندازنا پڑتا شزا کی تعریف کی۔  
”اب ایسی بات بھی نہیں..... مجھے تو اس کے

بنائے ہوئے پراٹھے اچھے لگے۔ آپ خواہ مخواہ ایسی باتیں نہ کریں۔ اگر اس نے سن لیا تو اسے برا لگے گا۔“

”میں اس سے کون سا کچھ کہہ رہا ہوں... لیکن کل سے سحری تم ہی بنانا میں اس کے بنائے ہوئے پراٹھے کھا کر اپنا معدہ خراب نہیں کر سکتا۔“ ذیشان یہ کہہ کر اپنے موبائل میں مصروف ہو گیا اور وہ خوشی سے نہال ہو کر سنکٹاتی ہوئی چکن میں آگئی جہاں اسے افطاری کا انتظام کرنا تھا۔ اسے کھانے پکانے کا بہت شوق تھا اور اپنی تعریفیں سننے کا بھی..... اور اس کے لیے وہ جی جان سے محنت کرتی تھی۔ جب سحری کا انتظام لائبہ کے حوالے کیا گیا تو اماں نے افطاری کا انتظام شہزاد کے حوالے کر دیا۔ وہ اس گھر کی فنانس منسٹر کے ساتھ، ساتھ وزیر داخلہ، وزیر خارجہ اور نہ جانے کیا تھیں۔ شہزاد کو جب افطاری کی ذمہ داری دی گئی تو وہ چار بجے سے ہی چکن میں چلی جاتی اور اتنے آرام، آرام سے کام کرتی کہ روزہ افطاری کرنے کا وقت بھی آجاتا۔ اور ساری چیزیں تیار نہ ہوتیں۔ افطار کے وقت عجیب ہڑبونگ اور افراتفری مچی ہوتی جبکہ اماں اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے فروٹ چاٹ کے لیے پھل کاٹ دیتیں۔ سبزی بنی ہوئی سبزی کاٹ دیتیں۔ شربت شایان بنا دیتا۔ مگر پھر بھی کام مکمل نہ ہوتے۔ تین چار دن بعد یہ ذمہ داری بھی لائبہ نے اٹھالی۔ اب شہزاد کا کام صرف لائبہ کی مدد کرنے تک محدود رہ گیا۔ جو وہ اپنے حتی الامکان خوشی، خوشی کرتی تھی۔ لیکن لائبہ کو اس کا اس کے ساتھ چکن میں رہنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ اپنے کام کا ایک فی صد کریڈٹ بھی کسی کے کھاتے میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ شام پانچ بجے چکن میں جاتی اور اذان کی آواز سے پہلے چکن کو صاف ستھرا کر کے ٹیبل پر افطاری سجا دیتی۔

☆☆☆

”اس دفعہ تو تم نے شایان، شہزاد اور ان کے بچوں کے غیدے جوڑے بھی بنوائے ہوں گے.....“ وہ بیس تیار کر کے دیہی بڑوں کی ڈشیں ٹیبل پر رکھنے لاؤنج

میں آئی تو اماں کے ان جملوں نے اسے مزید تپا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ شایان آج کل بیروزگار تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ شایان اور اس کے بیوی بچوں کے عید کے کپڑے ذیشان نے ہی بنائے ہوں گے مگر نہ جانے کیوں اماں کے اس طرح حکم دینے کے انداز پر اس کا خون کھولنے لگا۔ اس نے جھنجھلا کر دیہی بڑوں کی ڈش اس طرح میز پر پٹخ کر رکھی کہ ذیشان اور اماں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے کے تاثرات سے ان دونوں کو اس کے موڈ کا اندازہ ہو گیا۔

”کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے...“

ذیشان سمجھ گیا کہ اس کا موڈ کیوں آف ہے، اس کی رات ہی اس بات پر بہت بحث ہو چکی تھی کہ وہ شایان کو اتنی ڈھیل کیوں دیتا ہے۔ اور شایان کے سارے اخراجات کیوں اٹھاتا ہے۔ جبکہ اس کے سسرال والے بہت مالدار لوگ ہیں، وہ کیوں نہیں اپنی بیٹی اور داماد کی ذمہ داریاں اٹھاتے۔ اماں کو ان باتوں کا کوئی علم نہیں تھا وہ ہر آئے گئے سے لائبہ کی تعریفیں کرتی رہتی تھیں۔ اسی لیے انہوں نے بڑے دھشے لہجے میں پوچھا وہ بھی سمجھ رہی ہیں کہ شایاد کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ جھک گئی ہے۔

”نہیں کچھ نہیں... بس... وہ میرے سر میں دروہور رہا ہے۔“ اس نے بھانہ بتایا۔

”تم کبھی تو روزے میں مستقل کام میں لگی رہتی ہو... ذرا بھی آرام نہیں کرتیں۔ ابھی تو افطاری مین وقت ہے۔ تھوڑی دیر لیٹ جاؤ.....“ اماں نے بڑی محبت سے اس سے کہا۔

”ہاں تم جا کر آرام کرو۔ جو چیزیں رہ گئی ہیں وہ شہزاد، سکینہ کے ساتھ مل کر بنا لے گی۔“ ذیشان کو بھی اس کی محنت کا احساس تھا۔

”آج تو سکینہ دو بجے ہی چلی گئی ہے اور ویسے بھی وہ رمضان میں افطاری سے پہلے چلی جاتی ہے۔ اسے بھی اپنے گھر جا کر افطاری کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں ناگواری سی آگئی۔

اس کے جوتے، پر نفوم دیگر اشیا سب سے زیادہ مہنگے اور قیمتی ہوتے۔ سب بہنیں اس پر رشک کرتی تھیں۔ گھر میں بھی تمام مہوئیں موجود تھیں۔ لیکن اب وہ اندر ہی اندر ذرا، ذرا سی بات پر کڑھتی رہتی۔ ذیشان سے وہ کچھ کہہ نہ پاتی اور اگر کہنے کی کوشش کرتی تو وہ کچھ سنتا ہی نہیں تھا۔ مندوں سے کچھ بھی کہنا بیکار تھا۔ وہ دونوں بھابیوں سے خوش تھیں۔ لائبہ کی وجہ سے انہیں میکے آکر مزے، مزے کے کھانے ملتے ان کی اور ان کے شوہروں کی خوب خاطر داریاں ہوتیں۔ ذیشان کی وجہ سے ان کے سسرال والوں میں ان کا سوا نچا رہتا۔ انہیں شزا سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ آتیں تو لائبہ زیادہ بچن میں ہوتی۔ اور شزا ان سے باتیں کرتی، ان کی تعریفیں کرتی۔ اسے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے کا ہنر آتا تھا۔ وہ ہر ایک سے بے حد خوش مزاجی سے ملتی۔ اس کے برعکس لائبہ کام کر کے اتنا تھک جاتی کہ وہ ان لوگوں سے ڈھنگ سے بات بھی نہ کر پاتی۔

اتوار کا دن تھا، ہر طرف فلو پھیلا ہوا تھا۔ لائبہ کے والد بھی اس کی پلیٹ میں آگئے۔ وہ باپ کی مزاج پر سی کے لیے صبح، صبح ہی اپنے میکے آگئی تھی۔ اسی دن دونوں بڑی بہنیں اور اس سے چھوٹی بہن بھی باپ کو دیکھنے آئی تھیں۔ چاروں بہنیں کافی دن بعد ملی تھیں تو خوب زور و شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔

”تم نے اپنی عید کی شاپنگ کر لی؟“ بڑی بہن نے باتوں کے درمیان ایک دم موضوع بدلا۔

”ہاں، اماں نے تو پیسے تو دے دیے ہیں مگر میرا بازار جانا ہی نہیں ہوا۔“

”کیا مطلب تمہیں تمہارے خرچے کے پیسے اماں دیتی ہیں؟“ تینوں بہنوں نے حیرت سے بیک وقت پوچھا۔

”ہاں بھئی، ہمارے گھر کا یہی طریقہ ہے، ذیشان سارے پیسے اماں کو دے دیتے ہیں۔ اماں اسی میں سے گروسری، بل، اور تمام اخراجات کے پیسے نکال کر ہم دونوں بہنوں کو ان کے جیب خرچ کے پیسے

”شزا کیا کر رہی ہے؟“ ذیشان کو احساس تھا کہ شزا گھر کے کاموں میں بہت سست اور کاہل ہے۔

”وہ کیا کریں گی۔۔۔؟ یہ ان کے بس کا کام نہیں وہ تو سلا دہانے میں پورا گھنٹا لگا دیتی ہیں۔“ اماں شزا کی سستی اور پھوہڑ پن کا برملا اظہار کر دیتی تھیں اور اکثر اس کے سامنے بھی کہہ دیتیں لیکن اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اور وہ بیہشہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتی۔

”ہمیں تو ان کاموں کی عادت ہی نہیں۔ یہ تو بھابی کی ہمت ہے جو وہ یہ سارے کام اتنی جلدی کر لیتی ہیں۔“ لائبہ اسی بات سے چڑتی تھی کہ وہ یہ کہہ کر سارے کاموں سے بری الذمہ ہو جاتی ہے اور اس کی تعریفیں کر کے سارے کاموں کا بوجھ اس پر ڈال دیا جاتا ہے۔

”چلیں چھوڑیں“ میں بازار سے کچھ لے آتا ہوں۔“ ذیشان، ساس، بہو کی چپقلش سے بہت گھبراتا تھا سو فوراً مسئلے کا حل پیش کر دیا کرتا۔

”نہیں بھئی۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں اور اب میرے سر میں اتنا بھی درد نہیں ہے اور کام تو تقریباً سارا ہو ہی چکا ہے۔“ لائبہ نے اپنے لہجہ کو بہتر کرنے کی کوشش کی۔

☆☆☆

جیسے، جیسے رمضان کے دن گزر رہے تھے، لائبہ کے مزاج میں تبدیلی آتی جا رہی تھی۔ اماں اس کے مزاج کی یہ تبدیلی بہت دنوں سے محسوس کر رہی تھیں۔ لیکن اب اس کے اکھڑے، اکھڑے رویے اور مسلسل جھنجھلاہٹ سے اماں کو احساس ہو گیا تھا کہ لائبہ کے اندر کچھ تبدیلی آرہی ہے جو مثبت تبدیلی نہیں تھی۔ وہ بھی بہت سمجھدار اور عقلمند خاتون تھیں، سب کچھ سمجھ رہی تھیں۔ اور جانتی بھی تھیں کہ لائبہ کا مزاج کیوں براہم رہنے لگا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذیشان گھر والوں پر جان چھڑکتا تھا لیکن وہ اپنے بیوی بچوں کی بھی کوئی حق نہیں کرتا۔

لائبہ اپنے میکے میں سب بہنوں سے کہیں زیادہ آرام سے رہ رہی تھی۔ اس کے کپڑے، اس کے بیک،



سب سے چھوٹی بہن عارفہ جولائبرہ کی کی طرح نیک فطرت تھی نے موضوع کو بدلنے کی کوشش کی۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہارے گھر میں اب رمضان میں کیا ہوتا ہے؟“ بڑی بہن نے اس سے پوچھا۔ وہ لائبرہ کی خوشحالی سے بہت مرعوب رہتی تھی۔

”ہمارے ہاں تو رمضان میں اس قدر کام بڑھ جاتا ہے کہ مجھے تو ڈھنگ سے قرآن پاک کی تلاوت کا موقع بھی نہیں ملتا.....“ لائبرہ نے منہ بنا کر کہا۔ اس کو اس بات کا بہت افسوس تھا کہ رمضان شروع ہوئے چند دن ہو چکے تھے اور اس کے دس پارے بھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

”شرزاکا ابھی تک وہی حال ہے۔ کیا اب بھی وہ کوئی کام نہیں کرتی؟“ لائبرہ کی بڑی بہن کو اس قسم کی باتوں میں بڑا مزہ آتا تھا۔

”ہاں مجھے ان کا وہی حال ہے، سحری میں بھی اس وقت اُٹتی ہیں جب سب تیار ہوتا ہے اور افطاری میں کوئی ایک کام لے کر بیٹھ جائیں گی اور سارا وقت وہی کرتی رہیں گی۔“ لائبرہ کو بھی بہت دنوں بعد اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

”میں نے تو سنا ہے کہ شایان کی نوکری ختم ہو گئی۔ وہ آج کل پھر بیر وزگار ہے۔“ آپا نے بات کو مزید آگے بڑھایا۔

”ہاں نہیں یہ نوکری بھی اس نے اتنے لمبے عرصے تک کیسے کر لی۔ وہ تو کہیں بھی سال بھر تک کر کام نہیں کر سکتا۔“ وہ غصے سے بولی۔

”وہ لوگ کیسے گزارہ کرتے ہیں آج کل تو اتنی مہنگائی ہے پھر دو بچوں کی ذمہ داری بھی ہے۔“ چھوٹی بہن عارفہ نے ہمدردی سے کہا۔

”ان کو اس بات کی کیا فکر..... ذیشان ہیں ناں، ان کی بھی ساری ذمہ داری انہی کے کاندھوں پر ہے اور اس دفعہ ہماری ساس کا ناراضی حکم ہے کہ ان کی اور ان کی پوری فیملی کے عید کے جوڑے بھی ذیشان ہی بخوائیں گے۔ اسی لیے تو عید کی خریداری کے جتنے پیسے مجھے دیے

بھی دیتی ہیں بلکہ سب بچوں کو پاکنٹ منی بھی وہی دیتی ہیں.....“ لائبرہ نے ساری تفصیل بتائی۔

”تو اگر تمہیں زیادہ پیسوں کی ضرورت ہو..... تو؟“ مچھلی والی بہن ابھی تک حیرت زدہ تھی اس کا شوہر تو جو کماتا تھا اس میں بہت تھوڑی رقم ماں کو دے کر سارے پیسے اسی کو دے دیتا تھا۔

”ایسا ہوتا ہی نہیں..... وہ اتنی رقم ہوتی ہے کہ پورا مہینہ خرچ کرنے کے بعد بھی اچھے خاصے پیسے بچ جاتے ہیں۔“ لائبرہ نے جواب دیا۔

”کیا تمہیں اور تمہاری دیورانی کو برابر کا جیب خرچ ملتا ہے۔“ سب کو یہ سن کر بہت حیرت ہو رہی تھی اسی لیے وہ تینوں سوالوں پر سوال کر رہی تھیں۔ لائبرہ کی یہ عادت نہیں تھی کہ وہ سسرال کی باتیں میکے میں بتائے۔ وہ تو میکے ہی بہت کم آتی تھی۔ لیکن آج نہ جانے کیسے اس نے یہ سب کہہ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ ذیشان اس بات کے بہت خلاف ہے کہ اپنے گھر کے مالی معاملات دوسروں کو بتائے جائیں۔

”ہاں دونوں کو برابر ہی کا جیب خرچ ملتا ہے۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔

”یہ تو تمہارے ساتھ سخت نا انصافی ہے کہ تمہارے میاں اتنا کماتے ہیں اور تم بھی اتنا ہی خرچ کرو جتنا تمہاری دیورانی کے..... تمہارا دیور تو اتنا نہیں کماتا۔“ بڑی بہن کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ ان کے گھر میں تو ہمیشہ اسی بات پر جھگڑا ہوتا رہا کہ وہ اپنی ماں کو زیادہ پیسے دیتے ہیں اور انہیں کم.....

”میکے تو ذیشان اور ماں کی خواہش ہے کہ شایان کے بچوں کو یہ احساس نہ ہو کہ ان کا باپ کسی سے کم ہے۔“ یہ کہتے ہوئے لائبرہ کے لہجے میں بھی ناگواری جھلکتی تھی۔

”ویسے تمہاری ہمت ہے کہ تم یہ سب برداشت کرتی ہو..... میں تو اتنا برداشت نہیں کر سکتی۔“ مچھلی بہن نے کندھے اچکا کر کہا۔ وہ تو ویسے بھی لڑ جھگڑ کر سسرال سے الگ ہوئی تھی۔

”چھوڑو اس بحث کو کوئی اور بات کریں.....“



جواز پیش کیا جو انتہائی بودا تھا۔  
 ”لائبہ باجی! آپ خدا کا شکر ادا کریں۔ ذیشان  
 بھائی اتنے اچھے اور نیک انسان ہیں۔ وہ آپ کے  
 خرچے میں تو کوئی کمی نہیں کرتے ناں۔ وہ اپنے گھر  
 والوں کے ساتھ کچھ بھی کریں، آپ کو اعتراض نہیں  
 ہوتا چاہیے۔“ عارفہ نے چھوٹی بہن ہونے کے باوجود  
 اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”خدا کے لیے عارفہ تم ہماری استانی نہ بنو۔ ہم بچے  
 نہیں ہیں۔ ہمیں بھی سب پتا ہے۔“ آپا کو اس کی اس طرح  
 کی نیکی کی باتوں سے خاصی الجھن ہوئی تھی۔ وہ غصے سے  
 بولیں۔ ان کے دل پسند موضوع میں رنڈ پڑ گیا تھا۔  
 لائبہ کو بھی عارفہ کی باتیں اچھی نہیں لگیں۔ اس کا  
 منہ بھی بن گیا۔ عارفہ کا موڈ سخت آف ہو گیا۔ وہ ابھی  
 اور باپ کے پاس آگئی۔

”عارفہ جتنی ہے وہ بڑی نیک ہے اور ہم سب  
 بہت گناہ گار ہیں۔“ آپا نے لائبہ کے موڈ کو درست  
 کرنے کے لیے عارفہ کے خلاف جملہ کہا۔  
 ”اصل میں خود تو آرام سے اٹلی رہتی ہے  
 ناں۔ سرال کا کوئی جھنجھٹ ہی نہیں۔ ہماری طرح  
 بھری سرال میں رہنا پڑے تو پتا چلے کہ کس طرح  
 سرال والوں کی خدمت کرنا پڑتی ہے اور پھر بھی ذرا  
 سی بات پر ساس کا منہ بن جاتا ہے۔“ لائبہ کی آواز  
 بھرانے لگی۔ سب کو عارفہ کی زندگی پر رشک آتا تھا۔  
 اس کی پوری سرال اسلام آباد میں تھی۔ وہ اور اس کا  
 شوہر کراچی میں رہتے تھے۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا اس  
 لیے وہ آرام سے زندگی گزار رہی تھی۔

”تم اپنا دل خراب نہ کرو، اسے کہنے دو۔ ظاہر  
 ہے شوہر ساری کمائی گھر والوں پر خرچ کرے اور تمہیں  
 ملے بندھی قوم دے، غصہ تو آئے گا ہی۔ تم بالکل ٹھیک  
 کہتی ہو۔ اصل میں سارا قصور تمہاری ساس کا ہے۔  
 انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“ آپا اتنی دیر تک اسے  
 سمجھاتی رہیں جب تک اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہو گیا۔  
 وہ گھر واپس آئی تو آپا کی باتوں نے اس کے دل میں

گھسے ہیں اتنے ہی شزا کو بھی دیے گئے تاکہ انہیں یہ  
 احساس نہ ہو کہ ان کا شوہر یہ روزگار ہے۔“ لائبہ عام طور  
 پر اس طرح کی باتیں کرتی نہیں تھی لیکن اب وہ بہت بدلتی  
 جا رہی تھی۔ اس کا لہجہ بھی بے حد مظہر ہو گیا تھا۔

”ویسے یہ تمہاری ساس کی زیادتی ہے۔ انہیں سوچنا  
 چاہیے۔ انہیں ایک بیٹے اور بہو پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا  
 چاہیے۔“ بڑی بہن نے سمجھانے کے بعد اور آگ لگائی۔  
 ”آپا دنیا ایسی ہی ہے جو جتنا بوجھ اٹھاتا ہے دنیا  
 اس پر اتنا ہی بوجھ ڈالتی ہے۔“ لائبہ کو اپنے آپ پر  
 ترس آنے لگا۔

”ویسے یہ کتنی بری بات ہے کہ ہم سب روزے  
 میں غیبت کر رہے ہیں۔“ عارفہ کو احساس ہوا کہ انہیں  
 اس طرح باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔  
 ”اسے غیبت نہیں کہتے.....“ آپا نے فوراً جواز  
 پیش کر دیا۔

”پھر اور غیبت کسے کہتے ہیں، ہم ان کے پیٹھ  
 پیچھے ان کی برائیاں کر رہے ہیں۔“ آپا نے لائبہ کے پیٹھ  
 پر ہائی نہیں کر رہے جو حقیقت ہے وہ بیان  
 کر رہے ہیں۔“ آپا نے پھر اپنے گناہ کو گناہ نہ ثابت  
 کرنے کی کوشش کی۔

”تو کیا یہ سب باتیں آپ ان کے منہ پر کہہ سکتی  
 ہیں.....“ عارفہ بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

”منہ پر کیسے کہہ سکتی ہوں، اسے برا لگے گا اس کا  
 دل دکے گا اور کسی کا دل دکھانا بھی تو بری بات ہے۔“  
 ”جب آپ یہ سمجھتی ہیں اس بات سے ان لوگوں  
 کو تکلیف پہنچے گی تو اس بات کو ان کے پیٹھ پیچھے کہہ کر  
 ان کی ٹھیک کرنا ہی تو غیبت ہے۔“ عارفہ نے غیبت  
 کے بارے میں اپنا موقف پیش کیا۔

”ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا  
 چاہیے مگر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں، کس سے کہوں۔  
 ذیشان تو میری سنتے نہیں بلکہ انا ناراض ہوتے ہیں۔  
 آخر کہیں تو میں اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گی ناں۔ کیا  
 بہنوں سے بھی نہ کہوں۔“ لائبہ نے بھی اپنے گناہ کا

ساس، دیو اور دیورانی کے خلاف خاصا نمبار بھردیا تھا۔

☆☆☆

آخری روزوں میں جسم کی قوت بھی کم ہوتی جا رہی تھی اور کام بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک دن دونوں تندوں اور ان کے خاندان والوں کی افطار پارٹی تھی۔ دو دن بعد ہی ذیشان کے دوست اور ان کی فیملی کو افطار پر مدعو کیا گیا۔ ایک دن محلے میں افطاری بانی مہنی پھر آخری عشرے میں ملازمہ بھی بیمار ہوئی۔ اسے بھی یہ ٹینشن تھی کہ اس کی شاپنگ مکمل نہیں ہوئی۔ لائیو شاپنگ کر کے چھ بجے گھر میں داخل ہوئی تو گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے کچن میں دیکھا، کچن صاف ستھرا آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ افطار کا کوئی سان و گمان ہی نہیں تھا۔ اس کا خون ہی کھول گیا۔ اماں اپنے کمرے میں جائے نماز پر بیٹھیں دعا سنیں پڑھ رہی تھیں اور شزا لاؤنج میں بیٹھی سپارہ پڑھ رہی تھی۔ اس کا ایک قرآن ختم ہو چکا تھا اور دوسرا بھی ختم ہونے والا تھا جبکہ لائیو کا بھی پہلا بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اسے اس بات کا بھی دھتھا کہ شزا عبادت کے معاملے میں اس سے آگے نکل گئی ہے۔

وہ کچن میں آئی۔ اس نے چاول نکال کر بھگوئے۔ فریزر سے مٹر نکال کر ابالنے کو رکھ دیے۔ اتنے جلدی کھانے میں مٹر پلاؤ ہی بن سکتا تھا۔ چھوٹے ابلے ہوئے رکھے تھے۔ اس میں اس نے مسالہ، پیاز اور ابلے ہوئے آلو ڈال کر چاٹ بنائی اور چولہے پر کڑاہی رکھ کر بیسن بھیننے لگی۔ اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے منہ بنائے کاموں میں مصروف تھی تو شزا کچن میں داخل ہوئی۔

”بھابی! آپ پکڑے نہیں بنائے گا۔ اب پکڑے کھا، کھا کر طبیعت اچھنے لگی ہے۔ میں نے برگر آرڈر کر دیے ہیں۔“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے پکڑے تلنے لگی۔

”بھابی! آپ تھکی ہوئی ہیں، آرام کر لیں۔ میں پکڑے تل دیتی ہوں۔“ وہ سمجھ گئی اس کا موڈ آف ہے۔ اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔

”اوہو، پکڑے افطاری میں کھائے جائیں گے، سحری میں نہیں۔“ اس نے پکڑے تلنے ہوئے طنز کا تیر مارا۔

”خیر، آپ زیادہ مت تلیں۔ شایان بھی پکڑے نہیں کھائیں گے۔ ان کا بھی برگر کھانے کا دل چاہ رہا تھا۔“ اس نے جینٹلانی کے طنز کو محسوس تو کیا لیکن ظاہر نہیں کیا اور قدرے شرمندگی سے کہا۔

”شزا! شایان نے کہو ہوش کے ناخن لے۔ وہ بیروزگار ہے۔ بھائی کے پیسوں پر اسے موج اڑانے کی عادت ہو گئی ہے اور بچوں کو بھی سمجھاؤ کہ ان کا باپ بیروزگار ہے۔ باپ سے تک کر کام نہیں ہوتا اور بیوی بچوں کے خرچے ہی ختم نہیں ہوتے۔“ لائیو کے الفاظ اور لہجے میں اتنی ہلک تھی کہ شزا گنگ سی ہو گئی۔ اس نے نپٹ کر ایک لفظ بھی نہیں کہا اور نم آنکھیں لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس کے کمرے سے اس کی اور شایان کے لڑنے کی آوازیں آنے لگیں اور پھر شایان نے اسے نہ جانے کیا کہا کہ چند لمحوں بعد وہ کمرے سے اپنا بیگ لے کر نکلی اور دونوں بچوں کو لے کر گھر سے باہر چلی گئی۔

اذان ہو رہی تھی جب شزا اور اس کے بچے گھر سے نکلے تھے۔

☆☆☆

”شزا اور بچے کہاں ہیں؟“ ذیشان آج دیر سے آیا۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا۔ اس نے افطار کے وقت شزا اور بچوں کو نہ پا کر پوچھا۔

”وہ ناراض ہو کر اپنی اماں کے گھر چلی گئی ہیں۔“ اماں نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

”کیوں؟ کس بات پر ناراض ہوئی وہ تو ایسی نہیں ہے۔ وہ تو کبھی ناراض نہیں ہوتی۔“ ذیشان نے بھائی سے پوچھا۔

”یہ تو آپ بھابی سے پوچھیے۔“ شایان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ لائیو خوفزدہ ہو گئی۔

”کیا ہوا۔ کیا تم نے اسے کچھ کہا ہے؟“

بہترین تحریریں، لا جواب روداد اور  
اعلیٰ داستانی پڑھنے والوں کے لیے  
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

## سرگزشت

شمارہ مئی 2023ء  
کی جھلکیاں

### نوائے درد

معروف فنکار کی  
دکھ بھری زندگی کا عکس

### سکھائی دنیا

ایک الگ انداز کی بشکار کہانی

### روان زیست

مقبول نثر کا رطابہ جاوید مغل  
کا زندگی نامہ، انہی کی زبانی

### روح کے عوالم

راولپنڈی کی گلیوں سے ابھری ایک  
معروف شاعر کی پیار کہانی **زہر عشق**

### سفید پوش حبرائیم کی طویل

سرگزشت۔ **ریگ روان**

### روان کے علاوہ

سولہ سے زائد نچے واقعات، سچ بیانیہ، سچے  
قصے وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں

ذیشان کا لہجہ ایک دم کرخت ہو گیا۔

”نہیں، میں نے ایسا کچھ نہیں کہا اور اگر میں نے  
کچھ کہا بھی تو غصے میں کہہ دیا ہوگا۔ میں بہت تھکی ہوئی تھی  
اور مجھے غصہ آ رہا تھا۔“ اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

”اگر تم نے کچھ ایسا کہا ہے کہ جس پر وہ ناراض ہو کر  
گھر سے چلی گئی تو تمہیں اس سے معافی مانگنا ہوگی۔ میں  
اپنے گھر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میرے گھر والوں  
کو ایک حرف بھی کہے۔ شزا کی اس گھر میں وہی حیثیت ہے  
جو تمہاری ہے۔“ ذیشان نے سارا لحاظ اور مردوت طاق پر رکھ  
دی اور انتہائی غصے میں اس سے مخاطب ہوا۔

”اگر میں نے یہ کہا کہ شایان کو اپنی ڈتے  
دار یوں کا احساس کرنا چاہیے تو کیا میں نے غلط کہا۔ کیا  
میں بڑی ہو کر اسے یہ سمجھا نہیں سکتی۔“ وہ بھی غصے میں  
آگئی اور اس نے اپنے کہے ہوئے الفاظ کی سنگینی کو کم  
کرنے کے لیے انہیں تبدیل کر دیا۔

”آپ نے بالکل صحیح کہا۔ میں نکلا ہوں، نا کارہ  
ہوں۔ اپنے بھائی کے ٹکڑوں پر پڑا ہوں۔ میرے  
بھائی میرے بیوی بچوں کا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔ آپ کو  
حق ہے آپ مجھے لعن طعن کریں۔ میرے بیوی بچوں کو  
ذلیل کریں کیونکہ آپ کے شوہر ہم سب کو پال رہے  
ہیں۔“ شایان غصے سے آگ بگولا ہو کر چلائے لگا۔

”کسی کو حق نہیں ہے کہ میرے بچے کو کچھ کہے۔  
وہ کسی کے ٹکڑوں پر نہیں پل رہا ہے۔ اس کا بھائی اس  
قابل ہے کہ اس کے اور اس کے خاندان کے اخراجات  
اٹھائے تو کسی کو بھی ایک لفظ کہنے کا حق نہیں۔“ شزا کی  
ناراضی اور شایان کے اس قسم کے جذباتی جملوں نے  
اماں کی زبان کی دھار کو تیز کر دیا تھا۔

”ٹھیک ہے لائبرے کو کوئی حق نہیں کہ وہ شزا سے  
ایسی بات کرے۔ لائبرے خود جا کر شزا سے معافی مانگے  
گی اور اسے منا کر لائے گی۔“ ذیشان نے ہمیشہ کی  
طرح بات کو رفع و دفع کرنے کی کوشش کی۔

”ہرگز بھی نہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا کہ  
جس کے لیے میں شزا سے یا کسی اور سے معافی

مانگوں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔“ لائبہ روزہ افطار کیے بغیر ہی کرسی سے اٹھی اور روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

گھر میں شام غریباں کا سناٹا چھا گیا۔ رمضان کے آخری دن خدا کی رحمت اور برکت کے نور سے جگمگانے کے بجائے لڑائی جھگڑوں کی غصہ کی لپیٹ میں آ گئے۔ جس گھر میں صبح، صبح تلاوت کی آوازیں گونجتی تھیں، بچوں کی ہنسی اور مسکراہٹوں کی روشنیاں پھلتی تھیں، محبت، رواداری، مروت، لحاظ کے پھول مہکتے تھے، وہاں ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے گھر میں کوئی موجود ہی نہیں۔ شایان سارا دن گھر سے باہر رہتا۔ اماں بیکل آنکھوں سے عبادت میں مصروف رہتیں۔ بچے سب سے اپنے کمروں میں ہی رہتے۔ وہ خود بھی کسی سے بات نہیں کرتی۔ ذیشان اس سے سخت ناراض تھا۔

لیانہ القدر کی آمد پر بھی اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اس کا دل بہت افسردہ تھا۔ کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اس کی ساری محنت و مشقت کو ایک لمحے میں زیر و کر دیا گیا۔

اماں نے بہنوں کو بھی ساری رواداد بیان کر دی تھی۔ سب نے اسی کو مورد الزام ٹھہرایا۔

27 رمضان کی رات ان گھروں پر جہاں خدا کی عبادت ہو، ایک الوہی سی فضا چھا جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ نور کے ہالے میں گھرے ہوں۔ ان کے گھر میں بھی ہر سال ایسا ہی نور چھاتا تھا۔ گھر کا ہر فرد عبادت میں مصروف ہوتا۔ کوئی نمازیں پڑھ رہا ہوتا، کوئی کلام پاک کی تلاوت کر رہا ہوتا۔ کوئی دعاؤں میں مصروف ہوتا، کوئی رو، رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہوتا لیکن اس سال ان کے گھر میں ویرانی تھی، وحشت تھی۔ عبادت تو ہو رہی تھی لیکن اس عبادت کا نور نہیں پھیل رہا تھا۔ شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

لائبہ نے ہمیشہ کی طرح افطاری کے بعد غسل

کیا۔ پھر ساری رات نمازیں اور دعائیں پڑھتی رہی۔ اسے یہ بھی دکھ تھا کہ اس دفعہ اس کا قرآن مجید ختم نہیں ہوا جبکہ اماں کے تین قرآن ختم ہو گئے تھے اور شہزاد کے دو۔ وہ عبادت میں ان دونوں سے پیچھے رہ گئی تھی اور وہ ہمیشہ آگے رہتا چاہتی تھی۔ وہ رات اس نے جاگ کر گزاری لیکن اس کے دل کو ذرا بھی سکون نہیں ملا..... بے قراری سی بے قراری تھی جو پورے وجود پر چھا گئی تھی۔ ساری رات جاگنے کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر اس نے وہی عمل دہرایا جو وہ کئی سالوں سے ہر روز فجر کی نماز کے بعد کرتی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد وہ سجدے میں جا کر سو دفعہ لا الہ الا اللہ کی تسبیح پڑھتی تھی۔ اس نے سجدے میں جا کر تسبیح پڑھنا شروع کی۔ چند سیکنڈ بعد جب اس کی زبان پر لا الہ جاری ہوا تو جیسے کسی نے اس کی زبان کو جکڑ لیا۔

”کوئی اللہ نہیں، کوئی معبود نہیں، تو پھر یہ کیا ہے؟“

میرا شوہر

میرے بچے

میرا مال

میرے شوہر کی کمائی

میری محنت

میرے کام

میں

میں

میں کیا ہوں

میری انا

جب تک ”میں“ ہے تو زبان سے لا الہ کا ورد کرنے کا کیا فائدہ۔ اس ”میں“ کو ختم کرنا ہے۔ جب یہ ”میں“ ختم ہوگی تب اللہ کی قربت نصیب ہوگی۔ تب اللہ قریب آئے گا۔ تب اللہ کی محبت نصیب ہوگی۔“ کوئی اسے راستہ دکھا رہا تھا۔

اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کتنی دیر تک سجدے میں لا الہ کہتی رہی اور اس کی زبان پر لا الہ نہیں آیا۔

☆☆☆

خوشیوں کی نوید لے کر طلوع ہوا۔

لائبہ نے صبح ہی صبح شیر خرما بنا کر نیاز دلوادی اور دوپہر کے لیے بریانی کا مسالا تیار کرنے لگی۔ آج سارے خاندان کے لوگ انہی کے گھر جمع ہوتے تھے اور دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔

قورمہ اور شامی کباب اس نے رات کو ہی بنا کر رکھ لیے تھے۔ ہمیشہ کی طرح سلا دہانے اور ٹیبل سیٹ کرنے کی ذمہ داری شرنانے اپنے کاندھوں پر لے لی۔

لائبہ بہت خوش تھی، اسے معلوم تھا سب ہی اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ وہ کھانا کھا کر اس کی بہت تعریفیں کریں گے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے تھوڑی دیر آرام کیا پھر شام کو اپنے میکے جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ اس نے ڈیٹان کے پسندیدہ گلابی رنگ کا کاپدار سوٹ پہنا تھا۔

وہ تیار ہو کر آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ ڈیٹان نے بغور اسے دیکھا اور ایک جملہ کہا۔

”میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں جسے تم جیسی خوب صورت بیوی ملی۔“

”میں اور خوب .... صورت ....!“ اس نے حیرانی سے ڈیٹان کو دیکھا۔ اس نے آج تک اس کی اس طرح تعریف نہیں کی تھی۔

”جب دو لوگ ساتھ رہتے ہیں تو کچھ عرصے بعد ظاہری خوب صورتی بے معنی ہو جاتی ہے لیکن انسان کے اندر کی نیکی، اس کا ہنر، اس کی صلاحیتیں اسے اتنا خوب صورت بنا دیتی ہیں کہ گزرتے ہوئے ماہ و سال اسے ختم نہیں کر سکتے اور مجھے یقین ہے تمہارا یہ حسن کبھی ماند نہیں پڑے گا بلکہ دن گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوگا۔“ ڈیٹان کے ان جملوں نے اسے ایک لمحے میں فرش سے عرش پر پہنچا دیا تھا اور اس بلندی تک پہنچنے کے لیے اسے بہت زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ بس اپنے اندر کی ”میں“ کو چلانا پڑا تھا۔

وہ مصلے سے اٹھی۔ اس نے شرنانے کا نمبر ملایا۔  
”شرنا! مجھے معاف کر دو۔ مجھے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ تم گھرواپس آ جاؤ۔“

”بھائی! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ آپ نے وہی کہا جو حقیقت تھی لیکن میں شایان سے کہہ کر آئی ہوں، میں اس وقت تک نہیں آؤں گی جب تک وہ اپنی ذمہ داریاں اٹھانے کے اہل نہیں ہوں گے۔“ شرنانے کا دل بہت وسیع تھا۔ اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ شب قدر میں اپنی ہدایت کے در بھی کھول دیتا ہے جو اس نے لائبہ کے دل پر کھول دیے تھے۔

”شرنا پلیز! ضد نہیں کرو۔ تم گھر آ جاؤ۔ ہم سب بہت پریشان ہیں۔ یہ گھر تمہارے اور تمہارے بچوں کے بغیر بہت سوتا ہو گیا ہے۔ شایان نے ڈیٹان سے وعدہ کیا ہے وہ اب جو بھی نوکری ملے گی، مستقل حراجی سے کرے گا۔ ڈیٹان نے اس کی نوکری کے لیے بات بھی کر لی ہے۔ وہ عید کے بعد ڈیٹان کے دوست کی فرم کو جوائن کر لے گا۔“

وہ رو، رو کہہ رہی تھی۔ دوسری طرف شرنانے بھی رو رہی تھی۔

”شرنا! تمہارا آنا بہت ضروری ہے۔ میں خود تمہیں لینے آؤں گی۔ تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی۔“ اس نے اپنی ”میں“ کا خاتمہ کر دیا تھا اور شیطان بہت افسردہ تھا۔

”بھائی! مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں ضرور آؤں گی۔ وہ میرا گھر ہے۔ آپ سب کے بغیر میں اور بچے بھی بہت اداں ہیں۔“

وہ فون رکھ کے کٹی تو ڈیٹان اس کی پشت پر کھڑا تھا۔  
”مجھے معلوم تھا تم ایسا ضرور کرو گی۔ خدا کے راستے پر چلنے والے لڑکھڑا تو سکتے ہیں مگر گھر نہیں سکتے۔ اس لیے خدا انہیں سنبھالنے کے لیے ہر وقت ان کے ساتھ رہتا ہے۔“

☆☆☆

عید کا دن ہمیشہ کی طرح ان کے گھر میں بھی

